"جدید انسان، ورائے جدیدیت کی دہلیز پر"

مرکزی انجمن کے زیر اہتمام ۱۹ تا ۲۱ / اپریل ۹۶ء منعقد ہونے والے سالانہ محاضراتِ قرآنی کی ایک بھرپور رپورٹ

مرتب : ڈاکٹر احمد افضال

حکمت قرآن کے قارئین اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے سالانہ "محاضراتِ قرآنی" اب لاہور کی علمی زندگی کا جزوِ لاینفک اور دعوت رجوع الی القرآن کی مستقل روایت بن چکے ہیں۔ اس سال محاضرات قرآنی کے سلسلے میں تنظیم اسلامی کے رفیق جناب باسط بلال کوشل صاحب نے قرآن آڈیٹوریم میں تین خطبے دیئے۔ یہ تینوں خطبے حسب اعلان انگریزی زبان میں ہوئے۔ تاہم سامعین کے ذوق و شوق اور دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ تینوں دن قرآن آڈیٹوریم اپنی تمامتر وسعت کے باوجود تنگ پڑتا دکھائی دیتا تھا۔ بحمد اللہ یہ ایک نہایت کامیاب اور مفید پروگرام تھا جس کی افادیت کا اعتراف متعدد قابل ذکر حلقوں کی جانب سے ہوا۔

باسط بلال ایک نوجوان اسکالر ہیں (ان کی عمر ابھی صرف ۲۸ سال ہے)، جو اگرچہ پاکستان میں پیدا ہوئے لیکن ان کی تعلیم امریکہ میں ہوئی ہے۔ انہوں نے William Paterson College سے سیاسیات میں ایم - اے کیا اور Hartford Seminary سے اسلامیات میں ایم۔اے کی سند حاصل کرنے والے ہیں۔ جناب باسط بلال Drew University سے پی ایچ ڈی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، نیز قرآن کالج لاہور سے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس بھی کر چکے ہیں۔ ان کے تعارف میں قرآن اکیڈمی کے اعزازی ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر ابصار احمد نے رڈیارڈ کپلنگ کا قول دہراتے ہوئے کہا کہ اگرچہ یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ مشرق اور مغرب دو جداگانہ حقیقتیں ہیں جن میں کبھی ملاپ نہیں ہو سکتا، لیکن حاضرین کے سامنے باسط بلال کی شکل میں ان دو

مختلف روایات کا سنگم موجود ہے۔ یعنی وہ ایک ایسے سکالر ہیں جن کی تعلیم و تربیت اور بولنے کا انداز پوری طرح مغربی ہے' لیکن ان کے دل و دماغ پر اصل اسلامی اثرات شدت کے ساتھ راسخ ہیں۔

جناب باسط بلال کے خطبات کا مرکزی خیال یہ تھا کہ فکر و عمل کے جس مجموعے کا نام "جدیدیت" یا "Modernity" ہے' اس کا دور اب اختتام کے قریب آ چکا ہے' اور جدید انسان "ورائے جدیدیت" یا "Post-Modernism" کے دور میں قدم رکھنے والا ہے۔ تاہم ابھی تک یہ واضح نہیں ہے کہ یہ "ورائے جدیدیت" عہد نطشے کے فلسفے کی بنیاد پر قائم ہو کر دہریت کا نمونہ پیش کرے گا یا اقبال کی تعلیمات کی پیروی میں عرفانِ خودی اور خدا پرستی کا راستہ اختیار کرے گا۔

☆ ☆ ☆

پہلا خطبہ ۱۹/اپریل کو پیش کیا گیا اور جامعہ پنجاب کے صدر شعبہ سیاسیات پروفیسر سجاد نصیر صاحب نے صدارت کی۔ اس خطبے کا عنوان تھا "جدید ذہن کے عقائد اور ان کی الجھنیں"۔ جناب باسط بلال نے کہا کہ ان کے خطبات کا اصل مقصد یہ ہے کہ مرکزی انجمن خدام القرآن کے صدر مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد نے جو خیالات اپنے مختصر کتابچے "اسلام کی نشأۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام" میں پیش کئے ہیں' ان کو مزید وسعت دی جائے اور انہیں مغرب کے دانشور طبقے تک پہنچایا جا سکے۔ انہوں نے "جدیدیت" کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ دراصل تین عقائد کے مجموعے نے جس ذہنی فضا اور سوچنے کے طریقے کو جنم دیا ہے اسے "جدیدیت" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ تین عقائد ہیں' سائنس پرستی یا Scientism' لادینیت یا Secularism اور سرمایہ داری یا Capitalism۔ ان تینوں نظریات کو عقائد قرار دینا اس لئے درست ہے کہ موجودہ اندازِ فکر میں فی الواقع ان کی حیثیت وہی ہے جو کسی مذہب میں عقیدے کی ہوتی ہے۔ چنانچہ جدید ذہن نے ان تینوں اقدار کو کسی تنقید کے بغیر اختیار کر کے حرزِ جاں بنایا ہوا ہے۔ اگرچہ ان عقائد کو اکثر سائنسی انداز میں بیان کیا جاتا ہے' لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان تینوں کی حیثیت موضوعی مفروضوں کی ہے' نہ کہ

معروضی حقائق کی۔

سائنس پرستی اور سائنس دو مختلف چیزیں ہیں۔ سائنس دراصل مادی کائنات کی حقیقتوں کو جاننے کے لئے ایک مخصوص طریقے سے کوشش کرنے کا نام ہے، جبکہ سائنس پرستی جدید ذہن کا یہ دعویٰ ہے کہ علم صرف وہی ہے جو سائنس کے ذریعے حاصل کیا جائے، اور سائنس کے سوا کسی بھی ذریعے سے حاصل ہونے والا علم توہمات کی فہرست میں رکھنا چاہئے۔ اس طرح گویا وحی، روحانی تجربے، اور وجدان کی کامل نفی کردی گئی۔ اگر آپ یہ کہیں کہ سائنس علم کے حصول کے مختلف ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے تو اس سے مذہب پر کوئی زد نہیں پڑتی، لیکن سائنس پرستی کے مطابق سائنس حصول علم کا واحد ذریعہ ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ نظریہ مذہب کی تعلیمات کے برعکس ہے۔

عمرانیات کے میدان میں جدیدیت نے لادینیت (Secularism) کو اختیار کیا ہے۔ لادینیت اپنی اصل کے اعتبار سے مذہب کا انکار نہیں کرتی، بلکہ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ مذہب افراد کا ذاتی اور نجی معاملہ ہے اور اسے معاشرے سے یا ریاست کی سطح پر امورِ اجتماعی میں دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہیں۔

تیسرا عقیدہ سرمایہ داری (Capitalism) کا ہے۔ جدیدیت نے سرمایہ داری کو بطور نظریۂ حیات (Ideology) اختیار کیا ہوا ہے۔ نظریۂ حیات سے مراد دلائل و براہین کا وہ مجموعہ ہے جسے انسانوں کا کوئی گروہ اپنے رویئے کو خود اپنی نظروں میں درست ثابت کرنے کی غرض سے استعمال کرتا ہے۔ جدیدیت نے سرمایہ داری کو اپنی Ideology بنایا ہوا ہے۔ سرمایہ داری کی رو سے ہر انسان کی بنیادی خواہش زیادہ سے زیادہ دولت اکٹھا کرنا ہے، اور معاشرے کا مجموعی مفاد اس میں ہے کہ ہر فرد کو اپنے خود غرضانہ مفاد کے لئے کوشش کرنے کی پوری آزادی دی جائے۔

جناب باسط بلال نے کہا کہ مغربی معاشرے میں جو زبردست حرکت اور رونق (dynamism) نظر آتی ہے وہ اصل میں سرمایہ داری کی مرہونِ منت ہے، اور خود سرمایہ داری کا جوش و خروش سودی نظام بینکاری کے دم سے ہے۔ جدیدیت کے عقائدِ سہ گانہ کے متعلق جناب باسط بلال نے حاضرین کی توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ اگرچہ

اٹھارہویں صدی میں Romanticism نے سائنس پرستی کے رجحان کو چیلنج کیا تھا' اور انیسویں صدی میں اشتراکیت نے سرمایہ داری کو چیلنج کیا تھا' تاہم مغرب میں آج تک کوئی تحریک یا نظریہ ایسا نہیں ابھرا جس نے لادینیت یعنی Secularism کے مقابلے میں آنے کی کوشش کی ہو۔ انہوں نے کہا کہ بحیثیتِ مجموعی جدیدیت کے تینوں ستون اپنی اپنی جگہ پر قائم ہیں' اور بعض علمی حلقوں کا یہ دعویٰ درست معلوم نہیں ہوتا کہ "ورائے جدیدیت" یا Post-Modernism کا دور شروع ہو چکا ہے۔

فاضل مقرر نے کہا کہ جدیدیت کے عقائدِ سہ گانہ میں وہ زہر چھپا ہوا ہے کہ جس معاشرے نے بھی انہیں قبول کیا وہ تصوریت (Idealism) ' روحانیت (Spirituality)' مابعد الطبیعیات (Metaphysics) اور کسی ماورائے حواس حقیقت (Transcendentalism) پر ایمان رکھنے کی صلاحیت کھو بیٹھا۔ نتیجتاً تمام تر توجہات کا ارتکاز خدا کی ذات کے بجائے مرئی اور محسوس کائنات پر' روح کے بجائے جسمِ حیوانی پر' اور عالمِ اخروی کے بجائے موجودہ عارضی وفانی زندگی پر ہو گیا۔

تاریخ گواہ ہے کہ آج تک جتنی بھی تہذیبیں دنیا میں رہی ہیں' ان میں سے ہر ایک نے مرئی و محسوس مادی عالم کے بجائے ایک غیر مرئی اور ماورائے حواس عالم کو اہمیت دی ہے۔ موجودہ جدید معاشرہ واحد استثناء ہے' کیونکہ اس کی تمام تر توجہ صرف مادے پر جم کر رہ گئی ہے اور جو نہ صرف کسی بھی نوعیت کی روحانیت کا منکر ہے بلکہ اس کے خلاف کھلی دشمنی کا رویہ رکھتا ہے۔

فاضل مقرر نے واضح کیا کہ جدیدیت کے عقائدِ سہ گانہ کا مؤثر ابطال کرنے کے لئے لازمی ہے کہ ہم ان پر تنقید کرتے ہوئے کوئی ایسا ذریعہ استعمال نہ کریں جو جدید ذہن خود تسلیم نہیں کرتا' مثلاً لادینیت کے رد کے لئے کسی آسمانی کتاب کا حوالہ دینا مفید نہیں ہو گا' بلکہ ضروری ہے کہ ہم عقل و منطق کے انہی ہتھیاروں کو استعمال کریں جو خود جدید ذہن کے نزدیک مسلّم ہیں۔

سائنس پرستی کے متعلق فاضل مقرر نے کہا کہ خود سائنس اس عقیدے کو غلط ثابت کر چکی ہے۔ انہوں نے آسٹریا کے ریاضی دان Gödel کے حوالے سے بتایا کہ ریاضی میں

کسی دعویٰ کو محدود الفاظ میں اس طرح مکمل طور پر بیان کر دینا ممکن نہیں ہے کہ بیان کے تمام اجزاء آپس میں ہم آہنگ ہوں۔ اس Theorem کے جو نتائج نکلتے ہیں' ان میں سے ایک یہ ہے کہ سائنس کبھی ایسا تجرباتی طریقہ ایجاد نہیں کر سکتی جس کی مدد سے کسی بھی دعویٰ کو حتمی اور یقینی طور پر ثابت کیا جا سکے۔ دوسرا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ (منطقی اثباتیت کے خیال کے برعکس) بہت سے ایسے جملے بامعنی ہو سکتے ہیں جنہیں سائنس یا ریاضی کی مدد سے صحیح یا غلط ثابت کیا جانا ممکن نہ ہو۔ تیسرا نتیجہ یہ ہے کہ ماورائے حواس بھی ایک دنیا ہے جو اپنی جگہ اتنی ہی حقیقی و واقعی ہے جس قدر ہماری یہ مادی دنیا' لیکن اس بات کو سائنس اور ریاضی کی رو سے نہ تو کبھی درست ثابت کیا جا سکے گا اور نہ غلط ثابت کیا جا سکے گا۔

لادینیت کے متعلق فاضل مقرر نے کہا کہ بد قسمتی سے سولہویں صدی عیسوی میں یورپ میں جو خونریزی معاشی و سیاسی محرکات کی بنا پر کی گئی اسے مذہب یا مذہبی اختلافات کا لبادہ پہنا دیا گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس تلخ تجربے کے بعد مغرب کے سیاست دانوں اور دانشوروں نے طے کیا کہ حکومت کو دستوری طور پر اس کا پابند کر دینا چاہئے کہ وہ ایک مذہب کو دوسرے پر ترجیح نہ دے سکے۔ تاہم تاریخ کی گواہی ہمارے سامنے موجود ہے کہ لادینیت سے ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے بانیوں میں سے جارج واشنگٹن' تھامس جیفرسن' اور جان ایڈمز کے خیالات یہ تھے کہ وہ اس نئے ملک کا دستور اس مفروضے پر بنا رہے ہیں کہ یہاں کے عوام مذہب کی حدود کی پابندی کرنے والے ہوں گے۔ ان کا پختہ نظریہ یہ تھا کہ قانون اور دستور کی بالادستی صرف اسی صورت میں قائم ہو سکتی ہے کہ عوام میں ایک مضبوط اخلاقی حس موجود ہو' اور یہ اخلاقی حس صرف اور صرف مذہب سے پیدا ہوتی ہے۔

جناب باسط بلال نے کہا کہ جب مذہب کو فرد کو نجی زندگی میں مقید کر دیا جائے تو اس کا دم گھٹ جاتا ہے۔ اخلاق اور اخلاقی حدود کی اہمیت تسلیم کرنے کے بعد لازم ہے کہ مذہب کو اجتماعیت میں اس کا جائز مقام دیا جائے ورنہ جب اجتماعی ماحول میں بے راہ روی اور اخلاقی حدود سے تجاوز کا رجحان پیدا ہو جائے تو لامحالہ فرد کے لئے اپنی انفرادی مذہبیت کو برقرار رکھنا بھی ناممکن بن جاتا ہے۔

مشہور ماہر نفسیات کارل یونگ کا کہنا ہے کہ نفسیاتی الجھنوں کا بڑا سبب مذہب اور روحانیت پر ایمان سے محرومی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی معاشرہ بحیثیتِ مجموعی مذہبی حس سے عاری ہو جائے تو وہ بالآخر نفسیاتی توازن سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جدید معاشرے کی امتیازی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ آسودگی اور خوشحالی کے باوجود نفسیاتی امراض میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

جناب باسط بلال نے کہا کہ سرمایہ داری کا اصل ہدف زیادہ سے زیادہ دولت کمانا ہے' اور ایک سرمایہ دارانہ نظام کبھی اپنے آپ کو ایک مخصوص سطح پر برقرار رکھ کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس کے برعکس منافع کے اعتبار سے آگے بڑھتے رہنے ہی میں اس کی زندگی ہے۔ چنانچہ ہر قسم کے ذرائع ابلاغ استعمال کر کے عوام کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ اصل زندگی یہی موجودہ زندگی ہے' اسے زیادہ سے زیادہ پُر آسائش بنانا ہی تمہاری اصل کامیابی ہے' موت کے بعد کوئی جزا و سزا نہیں ہے' لہٰذا جو لطف چاہئے ابھی حاصل کر لو۔ چنانچہ یہ اسی سرمایہ دارانہ فریب کا مظہر ہے کہ اشتہارات کا لمبا چوڑا سلسلہ ایجاد کیا گیا ہے' جن کے ذریعے عوام کو یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ خوشی اور چین و سکون کسی روحانی ذریعے سے نہیں بلکہ نت نئی مصنوعات خریدنے سے ملتا ہے۔

اپنے خطبے کے آخر میں جناب باسط بلال نے کہا کہ معاشرے کا عام خلفشار اور افراتفری یہ ظاہر کرتی ہے کہ ایک دور (یعنی جدیدیت) ختم ہو رہا ہے اور ایک نئے زمانے (یعنی ورائے جدیدیت) کی آمد آمد ہے۔ ولادت اور موت دونوں کے لئے اذیت برداشت کرنا پڑتی ہے۔ چنانچہ عالمِ پیر کی موت اور ایک جہانِ نو کی پیدائش بھی آسانی سے ہو جانے والے واقعات نہیں ہیں۔

☆ ☆ ☆

دوسرا خطبہ ۲۰/اپریل کو پیش کیا گیا اور جناب زیڈ اے سلہری صاحب کی ناسازیٔ طبع کے باعث تنظیم اسلامی شمالی امریکہ کے امیر جناب عطاء الرحمٰن نے اس اجلاس کی صدارت کی۔ اس خطبے کا عنوان تھا "ورائے جدیدیت کے امکانات : نِطشے یا اقبال؟"

اس موضوع پر تقریر کرتے ہوئے جناب باسط بلال نے کہا کہ جدیدیت نے سب سے بڑا نقصان جو انسانیت کو پہنچایا ہے وہ انسان کی اپنے آپ سے اور دوسرے انسانوں سے بڑھتی ہوئی مغائرت (alienation) ہے۔ اس بے گانگی اور اجنبیت کا مظہر ہے کہ انسان روز بروز ایک جانور یا مشین بنتا جا رہا ہے اور انسان کا انسان سے رشتہ کٹ کر رہ گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکی دانشور Francis Fukuyama نے اپنی کتاب "End of History and theLast Man" میں دعویٰ کیا ہے کہ انسان کا سماجی و عمرانی ارتقاء اپنی آخری منزل کو پہنچ کر مکمل ہو چکا ہے۔ موجودہ مغربی معاشرے کی اقدار وہ سب سے اونچی اور اعلیٰ ترین اقدار ہیں جن سے بلند اقدار کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ موجود آزاد جمہوری سرمایہ دارانہ نظام وہ اعلیٰ ترین نظام ہے جس سے بہتر نظام کا آنا ممکن نہیں۔ اب صرف موجودہ نظام کی توسیع ہو گی یہاں تک کہ پوری دنیا پر اسی نظام کا غلبہ ہو جائے گا۔

فوکویاما کہتا ہے کہ جب پوری دنیا پر آزاد جمہوری سرمایہ دارانہ نظام کا غلبہ ہو جائے گا تو اس وقت دنیا کا "آخری آدمی" ابھرے گا، یعنی انسان اپنے ارتقاء کے اعتبار سے مکمل ترین صورت میں سامنے آئے گا۔ اس "آخری آدمی" کی خصوصیت یہ ہو گی کہ وہ اپنی اصل کے اعتبار سے ایک "کتا" بن جائے گا۔ کتے کا جو وصف فوکویاما کے ذہن میں ہے وہ یہ ہے کہ جب تک اسے پیٹ بھر کر کھانے کو ملتا رہے اور کوئی اسے تنگ نہ کرے تو وہ اطمینان سے اونگھتا رہتا ہے۔ چنانچہ انسان کی اعلیٰ ترین منزل وہ یہ قرار دیتا ہے کہ انسان دوبارہ ایک جانور کی سطح پر زندہ رہنا سیکھ لے۔

مغرب کے بعض سائنس دانوں کا خیال ہے کہ انسان کا مادی جسم اس کے ارتقاء میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اور انسان کے ارتقاء کے عمل کو جاری رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس جسم سے نجات حاصل کی جائے۔ وہ اب یہ تصور پیش کر رہے ہیں کہ مستقبل میں زندگی ایک احساس رکھنے اور سوچنے سمجھنے والے کمپیوٹر کی صورت میں ظاہر ہو گی، جو موجودہ انسان سے بہت بہتر ہو گا۔

حقیقت یہ ہے کہ جب انسان ایسا ذہنی رویہ اختیار کر لیتا ہے جس میں روحانیت اور مابعد الطبیعیات کا کوئی دخل نہ ہو تو محض مادہ پرستی باقی رہ جاتی ہے۔ یہ اسی مادہ پرستی کا نتیجہ

ہے کہ انسان کی اپنی اصل حقیقت سے مغائرت اتنی شدت اختیار کر چکی ہے کہ وہ ایک جانور یا مشین بن جانے کو اپنی اعلیٰ ترین منزل سمجھ رہا ہے۔ اس مادہ پرستی کا یہ نتیجہ بھی نکلا ہے کہ انسان کو مادی کائنات کا اسی طرح جزو سمجھ لیا گیا جس طرح حیوانات ہیں' چنانچہ کائنات میں انسان کا کوئی غیر معمولی رتبہ یا مقام سرے سے خارج از بحث ہو گیا۔

جناب باسط بلال نے کہا کہ اگر انسان کو اپنی انسانیت کی حفاظت کرنا ہے تو اسے جدیدیت کے خلاف بغاوت کرنا پڑے گی۔ انہوں نے کہا کہ یہ بغاوت لازماً ہو کر رہے گی' لیکن اسے دو میں سے کوئی ایک صورت اختیار کرنا ہوگی : ایک راستہ یہ ہے کہ انسان نطشے کے مشورے پر عمل کر کے فوق البشر (Superman) بن کر سامنے آئے' یا اقبال کی تعلیم کی پیروی کر کے اپنے آپ کو "انسانِ کامل" بنانے کی کوشش کرے۔

نطشے کے فوق البشر کا تصور واضح کرتے ہوئے جناب باسط بلال نے کہا کہ نطشے فوق البشر اس شخص کو کہتا ہے جو شعوری طور پر انسان کی حیوانیت اور درندگی' اس کے وجود کے لاحاصل اور بے نتیجہ ہونے' اور اس کی زندگی کے بے مقصد اور بے کار ہونے کو قبول کرے گا۔ وہ تسلیم کرے گا کہ خدا کا کوئی وجود نہیں' مذہب اور اخلاق محض کمزور اور بزدل عوام کے گھڑے ہوئے ڈھکوسلے ہیں' اور موت کے بعد جزا و سزا کا کوئی امکان نہیں۔ نطشے کہتا ہے کہ فوق البشر اپنا اخلاق خود تعمیر کرے گا اور ہر شخص کو اس کے احکامات کی بلاچون وچرا اطاعت کرنا پڑے گی۔ سب کو اخلاق کا وہی معیار قبول کرنا ہو گا جو مستقبل کا فوق البشر متعین کر دے گا۔

اس کے بالکل برعکس مستقبل کے انسان کا تصور وہ ہے جو اقبال پیش کرتا ہے۔ اقبال کے خیال میں "انسانِ کامل" وہ شخص ہے جو شعوری طور پر اپنی انسانیت کو تسلیم کرتا ہے اور اپنی روح کو ترقی دیتا ہے۔ وہ مانتا ہے کہ کائنات کا ایک خالق ہے' اور زندگی کا مقصد اس خالق کی مرضی کے مطابق اپنے وجود کو ڈھال لینا ہے۔ انسان کامل بخوبی آگاہ ہے کہ اس کا وجود جہاں حیوانی اور ارضی ہے وہیں اس میں ایک روح ملکوتی بھی پوشیدہ ہے' جو اس کا رشتہ ایک غیر مرئی عالم سے برقرار رکھتی ہے۔ انسان کامل اس حقیقت کو جان لیتا ہے کہ اس کی روح وہ جوہر ہے جو اسے دیگر تمام مخلوقات سے ممیّز کرتی ہے۔ وہ اپنے رب کی

معرفت حاصل کرتا ہے اور اس کی صفات کا عکس اپنی شخصیت میں پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ انسان کامل کی سعی و جہد کا اصل ہدف یہ ہوتا ہے کہ پوری نوع انسان کو عرفانِ خودی اور معرفتِ رب کی دولت حاصل ہو جائے اور انسان کا رشتہ دوبارہ اس کے خالق کے ساتھ استوار ہو جائے۔

اپنے خطبے کے آخر میں جناب باسط بلال نے کہا کہ اسلامی تعلیمات میں دجّالِ اکبر کے ظہور کی پیش گوئی کی گئی ہے' جو نطشے کے فوق البشر کا مصداق معلوم ہوتا ہے' اور حضرت مہدی کا ذکر ملتا ہے جو اقبال کے "انسانِ کامل" کا عکس معلوم ہوتے ہیں۔ اس نکتے کی وضاحت میں انجمن کے صدر مؤسس جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اصل میں تو "انسانِ کامل" کا تاج صرف حضور ﷺ کے سر پر سجتا ہے' لیکن حضورؐ کی تعلیمات کے پوری دنیا میں عام ہونے اور نوع انسان کا ان تعلیمات کو قبول کرنے کا مرحلہ ابھی باقی ہے۔

☆ ☆ ☆

تیسرا خطبہ ۲۱/اپریل کو پیش کیا گیا اور جناب ڈاکٹر خالد علوی صاحب نے صدارت کی۔ اس خطبے کا عنوان تھا "اسلام کا مستقبل"۔ جناب باسط بلال نے کہا کہ دورِ جدید کا انسان غیب پر ایمان لانے سے محروم ہو چکا ہے۔ فلسفیانہ سطح پر یہ اسلام کی تقدیر ہے کہ وہ جدید ذہن کو دوبارہ ایک ماورائے حواس عالم سے روشناس کرائے گا اور اسے دوبارہ غیبی امور پر ایمان رکھنے کے قابل بنائے گا۔ لیکن اس وقت اصل مسئلہ یہ ہے کہ خود اسلامی فکر بڑی حد تک جدیدیت سے متاثر ہو چکی ہے' چنانچہ مسلمان بھی اگرچہ خدا کے وجود کا اقرار تو کرتے ہیں لیکن یہ کیفیت کہ اللہ تعالیٰ کو ہر آن رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب محسوس کیا جائے مفقود ہے۔ مسلمان یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ اللہ نے ہمیں ماضی بعید میں پیدا کیا تھا اور مستقبل بعید میں وہ ہمارا محاسبہ کرے گا' لیکن درمیانی مدت میں گویا اس کا کوئی عمل دخل ہے ہی نہیں۔ اسی طرح جدیدیت کے زیر اثر مسلمانوں کے پڑھے لکھے اور دانشور طبقے نے روح اور جسم کی ثنویت کا کہیں واضح اور کہیں مبہم انداز میں انکار کر دیا اور اس طرح گویا روحانیت کو مسترد کر دیا گیا۔ اسی طرح آخرت پر ایمان کو کماحقہ' اہمیت نہیں دی

گئی۔ دین کے غلبے کے لئے جدوجہد کرنے والے بھی بھول گئے کہ اصل جذبہ محرکہ اسلام کے نظامِ حیات کی خوبیاں نہیں بلکہ محاسبۂ اخروی کا شدید احساس ہونا چاہئے۔

فاضل مقرر نے کہا کہ اگر اسلام کو فلسفیانہ سطح پر فیصلہ کن کردار ادا کرنا ہے تو اس کے لئے اسلام کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں میں توازن پیدا کرنا ضروری ہے۔ بدقسمتی سے آج ہمارا سارا زور اسلام کے ظاہر یعنی شریعت پر ہو گیا ہے، لیکن اس کے ساتھ اسلام کے باطن یعنی طریقت یا تصوف پر بھی توجہ ہونا چاہئے تاکہ ایمان محض زبانی اقرار سے بڑھ کر ایک اندرونی طور پر محسوس کی جانے والی حقیقت کا روپ اختیار کر سکے۔

فاضل مقرر نے کہا کہ آنے والے دور میں سائنس پرستی کی جگہ ایمان باللہ کو پُر کرنا ہے۔ یعنی یہ کہ سائنس کبھی بھی اس علم پر اضافہ نہیں کر سکتی جو قرآن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ عمرانیات کے ضمن میں لادینیت ختم ہو جائے گی اور اس کا خلاء ایمان بالرسالت سے پُر ہو گا۔ یعنی جو سماجی اقدار حضور ﷺ نے انسانیت کو دی ہیں کوئی معاشرتی علم ان اقدار پر اضافہ نہیں کر سکے گا۔ اسی طرح نظریۂ حیات کے ضمن میں ایمان بالآخرۃ آخرکار سرمایہ داری کی جگہ پُر کرے گا۔ یعنی توجہات کا اصل ارتکاز نجاتِ اخروی پر ہو گا اور سعی وجہد کا مقصد دنیا کی آسائشوں کا حصول نہیں بلکہ آخرت کی فلاح ہو گی۔

فاضل مقرر نے اسلام کے باطنی پہلو کے احیاء کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے کہا کہ اسلامی فکر کی جانب سے روحانیت اور مابعد الطبیعیات کی اہمیت کا اقرار بجائے خود جدید مغربی سوچ کے خلاف اسلام کا اعلانِ آزادی ہو گا، نیز اس سے اسلام میں حرکت اور تحریک (Dynamism) کے لئے اصل جذبہ محرکہ (یعنی ایمان) پھر سے پیدا ہو سکے گا۔ انہوں نے کہا محض شریعت پر زور دینے سے مادیت پیدا ہوتی ہے اور صرف طریقت کو اہمیت دی جائے تو ہمہ اوستی قسم کا عوامی مذہب جنم لیتا ہے۔ ان انتہاؤں کے بجائے ہمیں توازن اختیار کرنا چاہئے۔

جناب باسط بلال نے کہا کہ اگرچہ جدیدیت کے عقائد سہ گانہ کی جگہ لینے کے لئے ایمانیاتِ ثلاثہ موجود ہیں، تاہم ان کی حیثیت محض فلسفیانہ تصورات کی رہے گی جب تک

کہ ان ایمانیات کی بنیاد پر ایک معاشرہ قائم نہ کر دیا جائے۔ افراد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر حقیقی ایمان پیدا کریں اور شعوری طور پر فیصلہ کریں کہ انہیں شریعت کے مطابق اور طریقت کی روشنی میں زندگی گزارنا ہے۔ وہ اپنے اندر یہ احساس پیدا کریں کہ محض انفرادی طور پر اسلام کے مطابق جینا کافی نہیں بلکہ اجتماعی نظام کو بھی اسلام کے مطابق استوار کرنا لازم ہے اور اس لئے ایک منظم تحریک بھی ضروری ہے۔

آخر میں جناب باسط بلال نے Samuel Huntington کے حوالے سے کہا کہ مغربی طاقتوں نے اسلام کو مٹانے کے لئے آخری فیصلہ کر لیا ہے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا بھی فیصلہ ہے کہ اسلام کا عالمی غلبہ لازماً ہو کر رہے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب تصادم فی الواقع ناگزیر ہے۔ مغرب کی طرف سے عالمِ اسلام کو دُو راستے دیئے جا رہے ہیں۔ اگر ہم مغربی فکر اور تمدن کو پوری طرح اختیار کر لیتے ہیں تو ہم اس دور کی غالب تہذیب میں ضم ہو کر اپنا وجود کھو بیٹھیں گے، دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہم اپنے دین پر قائم رہیں اور مقابلے اور تصادم کے لئے تیار ہو جائیں۔ ان حالات میں ہم میں سے ہر ایک کو جائزہ لینا چاہے کہ اس کا وزن کس پلڑے میں ہے؟ اگر غلبۂ اسلام کے لئے ہم اپنی قوتوں اور اوقات کو استعمال نہیں کرتے تو اس کا پورا امکان موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں برباد کر کے کسی دوسری قوم کو اپنے دین کا سپاہی بنا دے گا۔

تیسرے خطبے کے بعد سوال وجواب کی نشست ہوئی اور انجمن کے صدر مؤسس جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور مہمان مقرر جناب باسط بلال نے حاضرین کے سوالات کے مشترکہ طور پر جوابات دیئے۔ اس طرح محاضراتِ قرآنی برائے ۱۹۹۶ء کا پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔ OO

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔